عطار ہو ،رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

صفر المظفر ۱۴۲۸ھ/ مارچ ۲۰۰۷ء

Reg No.P476

جلد: پنجم

شمارہ: 7

فہرست

فی شمارہ: 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک: 180/- روپے

ملنے کا پتہ: مکان نمبر ۱۲-P، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای میل:>>> mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

حدیثِ ناگفتنی (چوتھی قسط)

میری علمی و مطالعاتی زندگی

(حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحبؒ)

عربی ادب:

عربی ادب کے کوچہ سے ادنیٰ شناسائی اپنے استاذ الدکتور محسن الحسینی الاسکندری المصری (سابق صدر شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی) کے شرف تلمذ کا صدقہ ہے۔ خاکسار نے ان سے عربی نحو و بلاغت میں بعض کتب نقد النثر، نقد الشعر الوساطہ بین المتنبی وخصوماتہ الموازنہ بین ابی تمام والبحتری کا ملاً اور الذخیرہ فی محاسن اہل الجزیرہ، کتاب البخلاء للجاحظ اور دیوان متنبی کا کچھ حصہ اور جدید ادب کی بعض کتابیں پڑھیں۔ استاذی الحسینی صاحب کا ادب کا ذوق بہت پختہ تھا۔ ''نقد'' کی کتابیں خوب شوق سے پڑھاتے تھے۔ انکی شاگردی کی برکت تھی کہ جامعہ پشاور میں نقد کی کتابیں کئی سال تک پڑھاتا رہا۔ استاذ مرحوم زیر درس کتابوں کے علاوہ اس فن کی دیگر کتابوں کی نشاندہی اور ان کا مطالعہ بھی طلبہ سے کراتے رہتے تھے۔ جاحظ کی کتابوں میں البخلاء کے علاوہ کتاب البیان والتبیین (جو بقول شبلی نثر کا حماسہ ہے) سے استفادہ کیا۔ ابن الاثیر کی المثل السائر، ابن اشیق کی کتاب العمدہ، ابن مقفع کی الکلیۃ الدھنہ، الجرجانی کی اسرار البلاغۃ مختارات اوّل ودوم (ابوالحسن علی الندوی) فقیر کی محسن کتابوں میں سے ہیں۔ الاغانی کے کچھ حصے، انثر الغنی، الشعر الغنی، الادب الغنی فی القرن الرابع، مقامات الحریری ومقامات بدیع الزمان ہمدانی اور دیگر کئی کتابوں سے فائدہ اٹھایا۔ طٰہٰ حسین کے ذہن میں گوالحاد ہے تاہم اپنے اسلوب میں سلاست واطناب کا بادشاہ ہے۔ اس کی کئی کتابیں پڑھیں۔ امیر شکیب ارسلان، مخدومی ابوالحسن علی الندوی، الطنطاوی وغیرہ کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ تاریخ ادب میں جوجی زیدان کی الاداب اللغۃ العربیہ (چار جلدیں) اسکندرانی کی الوسیط، حسن الزیات کی تاریخ ادب العربی اور حنا الفاخوری وغیرہ کی کتابیں مطالعہ سے گذریں۔ ادبی تاریخ کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو ہر دور کے ادیبوں اور شاعروں سے ایک گونہ واقفیت، ان کے زمانہ کے رنگ ومزاج اور ادبی تغیرات کا پتہ چل جاتا ہے۔ عیسائی اور مستشرق (اسلامی علوم

کے عیسائی اور یہودی علماء) ادب میں بھی اپنے زیغ (ٹیڑھا پن) اور مقصودہ مفادات کی رعایت سے باز نہیں آتے ۔ چنانچہ جرجی زیدان اور حنا الفاخوری نکلسن وغیرہ کی کتابیں اس پر شاہد ہیں ۔ دینی لٹریچر کے بارے میں عموماً ان کی آراء جانبدارنہ اور مسموم (زہریلی) ہوتی ہیں ۔ اس لیے ان پر دینی ادب اور علوم کے بارے میں اعتبار نہیں کیا جا سکتا ۔ تاہم پختہ اذہان کے لیے ان کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں ۔

نظم میں مختلف شعراء کے دواوین کے علاوہ الجمہرۃ الاشعار العرف ، المعلقات السبع ، الحماسہ لابی تمام دیوان المتنبی وغیرہ شعری مطالعہ کا اثاثہ رہا ۔ دیوان المتنبی پر العکبری کی شرح مستند عمیق اور عمدہ ہے تاہم البرتوتی کی جدید شرح مبتدی طلبہ کے لیے زیادہ مفید وسہل ہے ۔ دیوان ابی تمام میں بعض مقامات پر گو تعقید وغموض (گہرائی اور دشواری) ہے لیکن غریب لغات ومشکل وثقیل الفاظ کی معرفت اس سے اچھی ہو جاتی ہے ۔

اردو ادب:

گذر چکا ہے کہ ۱۹۴۱ء میری علمی زندگی میں خاص اہمیت رکھتا ہے ۔ اسی سال اردو ادب کے اساطین کی کتابوں کی ابتدا ہوئی اور رفتہ رفتہ اردو کی '' کتب قیمہ '' کا ایک اچھا ذخیرہ نگاہوں سے گذر گیا ۔ مکتوبات غالب کی '' عود ہندی '' [۱] میں بسی ہوئی '' اردوئے معلّی '' [۲] کی شیریں وپاکیزہ روزمرہ میں سہل ممتنع کا حکم رکھتی ہے ۔

حالی کی کتابیں سنجیدہ ومعیاری ، شریفانہ ادب اور پراثر وسادہ انشاء کا نمونہ ہیں ۔ حیات سعدی ، یادگار غالب اور مقدمہ شعر وشاعری وحیات جاوید لفظ لفظ پڑھیں ۔ حالی کی ادبی تنقید ، سوانح نگاری اور اپنے ہیرو سے '' وفاداری '' کا نقش ذہن نے قبول کیا ۔

سرسید کی آثار الصنادید ، مضامین اور تفسیر القرآن کے بعض اجزاء نظر سے گزرے ۔ آثار الصنادید مفید کتاب ہے ۔ سرسید کے مذہبی نظریات بحمد اللہ متاثر نہ کر سکے ۔ نیچریت وحقیقت سے بعید تر تاویلات (جن کے ڈانڈے تحریف سے مل جاتے ہیں) اور مغرب کی ذہنی مرعوبیت سے طبیعت نفور (بیزار) رہی ۔ [۳]

---

[۱] [۲] غالب کے مکتوبات ان دوناموں سے بھی شائع ہوئے ہیں ۔ (حاشیہ [۳] اگلے صفحہ پر)

شعرا کے تذکروں و تاریخ میں گل رعناء (حکیم عبدالحئیؒ) ؒ کا ایک خاص مقام ہے۔ زبان کی شیرینی وسلاست سنجیدگی اور ثقاہت کے ساتھ تاریخی اسناد و معتدل انتقاد اور منصفانہ تقریضات نے کتاب کو ادبِ اردو میں ایک اونچی جگہ بخش دی ہے۔ گل رعناء کے مطالعہ سے آب حیات کی تاریخی حیثیت گو مجروح ہوگئی تاہم اس کی ادبی قدر و منزلت سالم و باقی رہی۔

۳؎ سر سید احمد خان مسلمانوں کی محبت وقومی درد وخلوص کے باوجود امت کے صحیح مرض وعلاج کی تشخیص وتجویز نہ کر سکے اور ان کی مساعی کی وجہ سے اسلامیان ہند و پاک نے ایک ایسے نظام تعلیم کو قبول کر لیا جس سے کسی حد تک گو وقتی معاشی مفادات وابستہ تھے...... لیکن حقیقتاً وہ مزاج امت کے منافی تھا اور اس میں امراض امت کا مداوا نہ تھا۔ اقبال نے اس حقیقت کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے

؎ رہبر کے ایما سے ہوا تعلیم کا سودا مجھے لیکن نگاہ نکتہ بیں دیکھے زبوں بختی مری
رفتم کہ خاک از پا کشم محمل نہاں شد از نظر یک لحظہ غافل گشتم وصد سالہ راہم دور شد

ترجمہ: رہبر (سر سید احمد خان) کے کہنے پر مجھے تعلیم کا شوق ہوا لیکن سمجھدار نظر نے میرے برے حال کو دیکھا کہ میں چلا کہ پیر سے کانٹا نکالوں اور اونٹ کا کجاوہ نظروں سے غائب ہوگیا۔ تھوڑی دیر غافل ہوا اور سینکڑوں سال راستے سے دور ہوگیا۔

کیا قیامت ہے کہ ایک چوتھائی صدی گزر جانے پر بھی پاکستان اس فرسودہ نظام تعلیم اور تقویم پارینہ سے اپنا دامن نہ چھڑا سکا اور اس قدیم صد چاک ''قبا'' پر پیوند پر پیوند لگا رہا ہے۔

۴؎ مولانا حکیم عبدالحئیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ بقول حضرت سید سلیمان ندوی ہندوستان کے ابن خلکان وابن ندیم (عظیم مسلمان دانشور) تھے۔ ان کی آٹھ مجلدات میں ضخیم تصنیف نزہت الخواطر برصغیر ہند و پاک کے اعیان وفضلا کا بے مثل ونادر (عربی میں) تذکرہ ہے۔ یہ کتاب اور ثقافۃ الھند فی عہد الاسلامی، یاد ایام اور دیگر تصنیفات ان کی فضیلت پر شاہد عدل ہیں۔ ان کا مبسوط تذکرہ ''تذکرہ عبدالحئیؒ'' کے نام سے ان کے مایہ ناز فرزند رشید مخدومی مولانا ابوالحسن الندوی مدظلہٗ نے لکھا ہے۔ ان کا خاندان ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق ہے۔

اردو شعر و ادب کی تاریخ میں شعرا لہند (عبدالسلام ندوی) اردو اصناف شاعری اور اس کے مختلف ادوار پر قابل قدر محققانہ تبصرہ و تقریظ [1] ہے۔ تاریخ ادب اردو (عسکری) غالباً اردو نثر و شعر کی واحد مبسوط معیاری تاریخ ہے۔ مترجم (مرزا محمد عسکری) کا کمال ہے کہ کتاب طبع زاد معلوم ہوتی ہے اور ترجمہ [2] کا گمان تک نہیں ہوتا۔ تاریخ ادب میں جدید اردو شاعری وغیرہ کئی دوسری کتابیں بھی نظر سے گذریں۔

صاحب طرز انشا پرداز مہدی الافادی کی افادات مہدی کے مضامین اردو ادب عالیہ میں اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ مہدی کا طرز تحریر شبلی و محمد حسین آزاد کے اسالیب کا آمیزہ دلکش اور پر اثر ہے۔ بندہ اس کے اسلوب سے بہت متاثر ہوا۔ نذیر احمد کی بنات النعش مرأۃ العروس اور توبۃ النصوح بچپن میں پڑھ چکا تھا۔ ابن الوقت، رؤیائے صادقہ اور ترجمہ قرآنی [3] بعد میں نظر سے گزرے۔

شبلی:

شبلی کی سیرت النبی اور الفاروق والدہ محترمہ کے کتب خانہ میں تھیں۔ الفاروق پڑھی، شبلی کی تحقیق و تاریخ نگاری نے مسخر کرلیا۔ الفاروق شبلی کا بڑا کارنامہ ہے جس نے بہت سے مغرب زدہ اذہان کو اسلامی عدل و نظریۂ سیاست کی فوقیت کا قائل کر دیا۔ کاش وقتی تقاضوں کے مداوا کے ساتھ مولانا مرحوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دینی و روحانی مزایا و کمالات کو بھی پورا اجاگر کر دیتے تو کتاب کی

---

[1] آج زمانہ کا رنگ بدل گیا۔ ہماری قدیم ''تنقید و تحقیق'' کے معیار آج فرسودہ گردانے جا رہے ہیں اور مشرقی ادب کو ''مغربی پیمانوں'' سے جانچا جا رہا ہے۔ کیا ستم ظریفی ہے کہ زبان و معاشرت و ثقافت کے تمام اختلافات کو نظر انداز کر کے جو مغرب میں ہے اسے مشرق میں دکھانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور جو ''ان کے'' نزدیک ان کے معیار پر پورا نہیں اترتا اسے ''ہدف ملامت'' بنا دیا جاتا ہے۔ گو وہ خود ہی کہتے ہیں مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب، نہ وہ کبھی ملے ہیں اور نہ ملیں گے لیکن واحسرتا ذہنی شکست کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔ انا للہ

[2] اصل کتاب انگریزی میں رام بابو سکسینہ کی تالیف ہے۔

[3] ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ علمی لحاظ سے غلطیوں سے معمور اور بعض جگہوں پر احکامات کی غلط بیانیوں پر مشتمل تھا۔ یہ اغلاط حضرت تھانویؒ نے اصلاح ترجمہ دہلویہ کے نام سے شائع فرمائی ہیں۔

افادیت مزید بڑھ جاتی۔تاہم جو ہے تاریخی لٹریچر کا قابل فخر سرمایہ ہے۔

الفاروق کے مطالعہ نے شبلی کی عظمت ومحبت پیدا کر دی اور شبلی کی ایک ایک کتاب ومقالہ مزہ لے لے کر پڑھتا رہا۔المامون، الغزالی، الکلام الجزیہ، موازنہ انیس و دبیز، شعرالعجم مقالات (آٹھ جلدیں) نظر سے گزریں۔تاریخ وادبیت وعلم کا ایک عظیم مجسمہ شبلی دل ودماغ پر چھا گیا اوران کی علمی و تحقیقی فتوحات نے اس وقت تک کے دیگر تمام نقوش ماند کر دیے۔شعرالعجم جوان کی ادبی کتابوں میں شاہکار ہے میرے ادبی ذوق کو جلا بخشتی رہی اوران کی دیگر کتابوں سے اپنی علمی پیاس بجھاتا رہا۔

سیرت النبیؐ (اوّل ودوم) برسوں سونے سے پہلے کچھ نہ کچھ پڑھ کر سوتا تھا۔مجھ پر شبلی کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی سیرت النبی نے سیرت سے شغف بخشا اوراسی مطالعہ سیرت کے سلسلہ میں جب سیرت النبی (جلد چہارم) کی ''صفات الٰہیہ'' کی بحث پر پہنچا تو قلب و دماغ شدّت تاثیر سے دگرگوں تھے۔اوراسی کا اثر تھا کہ آخرش سیرت نگار نبوی جانشین شبلی اپنے شیخ قیّم ومربّی اوّل حضرت سید الملت علامہ سید سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہ کو غائبانہ اپنا دل دے بیٹھا۔

ؔ اتانی ھواھا حین لم اعرف الھوی

فصادف قلباً خالیاً فتمکّنا

میری ساری عمر کا حاصل وہ تیری اک نظر

جس نے دنیا بھی بدل دی عشق کی میرے لیے

گویا شبلی مرحوم حضرت سید سلیمان ندویؒ کی بارگاہ تک رسائی کا سبب اوّل بنے۔ان کی سیرت نہ ہوتی تو فقیر کوچۂ سلیمانی کی گرد کو سرمۂ چشم نہ بنا سکتا۔فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزا۔

حضرت الشیخ قدس سرہٗ کے در سے کیا ملا یہ الگ داستان ہے جس کا یہ عجالہ متحمل نہیں ہوسکتا۔گو جی چاہتا ہے۔ ؎ باز گوازنجد وازیاران نجد

تا در ودیوار را آری بوجد

ترجمہ: نجد کے علاقے (قیس مجنون کا علاقہ) اورنجد کے دوستوں کی ذرا پھر بات کہو تاکہ دروازے اور دیواریں بھی وجد میں آجائیں۔ (جاری ہے)

مسرت حسین شاہ صاحبؒ کی وفات حسرت آیات (پانچویں قسط)

(ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ)

جناب مسرت حسین شاہ صاحبؒ بحیثیت پروفیسر شعبۂ انگریزی ایک مثالی پروفیسر رہے۔ چونکہ تعلیم کیڈٹ کالج کوہاٹ اور گورنمنٹ کالج لاہور جیسے مثالی اداروں کی تھی۔ اس پر مزید ڈیڑھ سال کا انگلستان کا قیام پھر کہنہ مشق پروفیسر مظہر علی خان کی زندگی کے بالکل آخری سالوں کی شاگردی، اس لئے انگریزی کے مضمون کی مثالی مہارت رکھتے تھے۔ بہترین تلفظ (Pronounciation) کے ساتھ بولنے کی مشق تھی۔ کلاس میں اکثر مشکل الفاظ کا ترجمہ دوسرے انگریزی الفاظ اور مثالوں سے کر کے نیز عملی حرکات وسکنات سے انگریزی کے معانی انگریزی ہی میں سمجھاتے تھے۔ ناگزیر جگہ پر اردو یا پشتو بولتے تھے، اس لئے اُن کے طلباء کو خاص مہارت حاصل ہوجاتی تھی۔

بطور پرنسپل: مسرت صاحب کو اپنی ملازمت کے دورانیہ میں تین سال اسلامیہ کالج کے پرنسپل کے طور پر کام کرنے کا موقع ملا۔ یہ دورانیہ (Tenure) ۴ فروری ۱۹۹۹ء سے ۲۸ جون ۲۰۰۲ء تک ۳ سال چار مہینے چوبیس دن تھا۔

اسلامیہ کالج صوبہ سرحد کا قدیم ترین کالج ہے، جو ۱۹۱۳ء میں بنا۔ شروع دور میں مشہور انگریز دانشور اس کے پرنسپل بنتے رہے۔ مسلم دور میں عنایت اللہ خان مشرقی اور عمر حیات ملک جیسی شخصیات اس کی پرنسپل رہیں۔

اس کالج کی تاسیس وتعمیر میں پورے صوبے نے قربانی دی ہے۔ اس لئے اس کے اوقاف پورے صوبے میں زراعتی زمینوں، دکانوں اور مارکیٹوں کی شکل میں ہیں اور ایک بورڈ آف ٹرسٹیز (BOT) اُس کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ کروڑوں اربوں روپے کی جائیداد ہے اور اس سے بے انتہا آمدنی ہوسکتی ہے۔ عام اوقاف کی طرح ان کا بھی برا حال کیا ہوا تھا۔ کچھ لوگ طفیلیوں (Parasites) کی طرح اس کو چمٹے ہوئے تھے۔ BOT کی انتظامیہ کو بھی اپنا ہمنوا بنایا ہوا تھا۔

شاہ صاحبؒ ایک بہت باہمت شخصیت کے حامل تھے اور جان کو خطرے میں ڈالنے کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ سب لوگوں سے ٹکر لے کر BOT کے فنڈز کو جمع کیا اور کالج کے لئے مندرجہ ذیل کارنامے BOT کے فنڈز سے کیئے؛

۱۔ارباب بہرام ہاسٹل کی تعمیر	ایک کروڑ باون لاکھ روپے۔
۲۔اسلامیہ کالجیٹ سکول کے اساتذہ کے لئے چھ مکانات	پچھتر لاکھ روپے
۳۔اسلامیہ کالج کے اساتذہ کے لئے چار چھوٹے مکانات	تینتیس لاکھ روپے
۴۔کمپیوٹر سائنس لیبارٹری کے لئے ۲۰ کمپیوٹر اور پانچ A.C	بائیس لاکھ روپے
۵۔اسلامیہ کالج کے لئے فوجی تربیت کا گراؤنڈ	تین لاکھ روپے
۶۔آڈیٹوریم فزکس ڈیپارٹمنٹ	تین لاکھ روپے

یہ تین کروڑ گیارہ لاکھ کی رقم بندہ کے یونیورسٹی کے سینتیس سالہ قیام میں کسی پرنسپل نے BOT سے لے کر خرچ نہیں کی۔ جس وقت یہ رقم خرچ ہوئی ہے اس وقت سونے کی قیمت پانچ، چھ ہزار روپے فی تولہ تھی۔ اس سے کالج کو سہولتیں ملیں اور صوبے کے لوگوں کو کافی فوائد اور روزگار کے مواقع فراہم ہوئے۔ اس کے علاوہ اپنی ذاتی کوششوں اور ذاتی تعلقات کے نتیجے میں اسلامیہ کالج سے دو مساجد تعمیر کروائیں:

۱۔مسجد عثمانیہ ہاسٹل　تقریباً ۲۷ لاکھ　　۲۔ٹرائیبل ہاسٹل مسجد　تقریباً ۳۵ لاکھ روپے

یونیورسٹی کے ورکس ڈیپارٹمنٹ سے اورینٹل بلاک آٹھ لاکھ روپے اور علی جان اورکزئی ڈسپنسری ۱۵ لاکھ سے تعمیر کروائیں۔ پرنسپل آفس اور سٹاف روم کے لئے ورکس ڈیپارٹمنٹ نے ۱۱ لاکھ روپے کا کام کیا اور ایڈمنسٹریشن سیکشن کو کمپیوٹرائز کروایا۔ ورکس ڈیپارٹمنٹ سے ایسے کام بندے کی معلومات کے مطابق پہلی دفعہ ہی ہوئے۔ آپ کا یہ دورانیۂ پرنسپل انتہائی نظم و ضبط (Descipline) اور حق بحق دار رسید اور میرٹ کی بنیادوں کی ترجیح کا دور گزرا جس میں آپ نے ناانصافیوں سے بچنے کی کوشش کی اور طلباء، کلاس فور، کلاس تھری اور اساتذہ سب کے حقوق ادا کیئے۔ چونکہ آپ کا یہ تقرر (Posting) مقررہ وقت کے لئے تھی اس لئے اس دور کو آپ نے

کامیابی سے پورا کیا اور اس کے بعد دوبارہ شعبۂ انگریزی کی تدریسی سرگرمیوں پر آ گئے۔ لیکن یونیورسٹی نے ڈائرکٹر ایڈمینسٹریشن کی اضافی ذمہ داریاں آپ پر ڈال دیں۔ ان ذمہ داریوں میں ایک انتہائی مشکل کام کافی شاپ بازار کی ازسرِ نو تعمیر تھی۔ اس سلسلے میں کئی دکانوں کو مسمار کرنا تھا۔ اس سلسلے میں موجودہ دکانداروں نے بہت محاذ آرائی کی اور ایک سخت چپقلش کے حالات رہے۔ کچھ لوگوں نے بتایا کہ ان ہی لوگوں میں سے کسی نے سحر کیا اور شاہ صاحبؒ ایک سخت جان لیوا بیماری (Non Hodgkin Lymphoma) میں مبتلا ہو گئے۔ یہ ایک قسم کے کینسر کی بیماری تھی جس میں بہت زیادہ اخراجات والا علاج ہوتا ہے اور علاج کے سلسلے کی دوائیوں کے اتنے ناگوار اثرات (Side Effects) ہوتے ہیں کہ آدمی چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ خیر یہ تین سالہ دور آپؒ نے انتہائی ثابت قدمی اور ہمت سے گذارا۔ پشاور اور اسلام آباد میں علاج ہوتا رہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے احسان سے اس دورانیے کے تقریباً کل چھ مہینے آپ چارپائی پر رہے۔ باقی اکثر وقت FIT (فعال) رہے۔ اپنے کام کرتے رہے، کلاسیں لیتے رہے، مجالس ذکر منعقد کرتے رہے اور اسی دورانیے میں ایک حج بھی کر لیا۔ واقعی اللہ والوں کے اوقات میں برکت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اضطراری مجاہدات کروا کر ان کو بلند درجے دیتا ہے۔ اضطراری مجاہدات ایسی بیماریوں اور مشکلات کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر آ جاتی ہیں اور ان کو برداشت کرنے اور صبر کرنے سے بہت بلند درجات عطا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان دنوں ذکر کی ایک خاص تاثیر انہیں نصیب ہو گئی تھی کہ لفظ اللہ ایک چیخ کی طرح ان کی زبان سے نکلتا تھا۔ بات میں انتہائی تاثیر پیدا ہو گئی تھی۔ گھر والوں نے اور خاص طور سے برخوردار ڈاکٹر معاذ نے خوب خدمت کی۔ مجھے افسوس ہے کہ خدمت نہ کر سکا لیکن اس بات کی خوشی ہے کہ بندہ کے متعلقین ڈاکٹر سیار صاحب اور الطاف صاحب کو اکثر مختلف خدمت کے کاموں کے لئے یاد فرماتے رہے۔ وفات سے دو ہفتے پہلے بندہ ملا تو بتایا کہ گردے متاثر ہو گئے ہیں اور اب علاج کی کوئی صورت نہیں، لیکن کوئی پریشانی یا اضطراب نہیں تھا۔ اطمینان سے جان جہان آفرین ذات ذوالجلال کو سپرد کرنے کو تیار تھے۔ آخری نماز اور آخری قضائے حاجت کے لئے خود اٹھے۔ آخر ایک وقت جانے کا مقرر ہے تین رمضان ۱۴۲۷ھ بروز پیر ہم سے رخصت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین۔

(جاری ہے)

استفتاء

جناب مفتی صاحب السلام علیکم!

گذارش ہے کہ میری شادی ۱۹۸۰ء میں ہوئی تھی۔ میرے سسرال نے حق مہر میں جائیداد طلب کی تھی۔ میرے والدین نے اپنی خوشی سے نصف در مکان اور دو در د کانات واقع چکا گلی پکی رجسٹری کے ذریعے میری اہلیہ کو حق مہر دیا تھا (با قبضہ)۔ اب میرے بہن، بھائی حق مہر کی رجسٹری ختم کر کے اس کو واپس کرنا چاہتے ہیں اور میری اہلیہ کی مرضی بالکل نہیں ہے۔ برائے مہربانی اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا میری اہلیہ کی مرضی کے بغیر یہ حق مہر ختم ہوسکتا ہے؟ اور کیا اس میں میرے بہن بھائیوں کا کوئی حق بنتا ہے؟

مستفتی جاوید اقبال

الجواب حامداً مصلیاً

مہر خالص بیوی کا مالی حق ہے اور یہ بہت قوی حق ہے جو عقدِ نکاح کی وجہ سے شرعاً واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کے والد (مرحوم) نے آپ کی طرف سے آپ کی اہلیہ کو نصف مکان اور دو دکانیں حق مہر کے طور پر جو دی ہیں اور اس کو باقاعدہ مالک و قابض بنایا ہے تو شرعاً یہ آپ کی اہلیہ کی ملکیت ہے اور وہی اس کی مالکہ ہے۔ نہ تو اس میں میراث جاری ہوتی ہے اور نہ ہی اس میں آپ کے بہن بھائیوں کا کوئی حق بنتا ہے۔

تاہم اگر آپ کی اہلیہ اس مذکورہ مہر (نصف مکان، دو دکانوں) میں سے آپ کے بہن، بھائیوں کو کچھ خیرات دیدے تو یہ اس کی طرف سے ہدیہ وعطیہ اور صلہ رحمی ہوگی جو بلاشبہ موجبِ اجر وثواب ہے۔

فی الھدایہ (۲/۲۲۳)　　　ثم المھر واجب شرعاً ابانة لشرف المحل

و کذا فی الھندیة (۱/۲۷۰)　　　و فیھا ایضاً (۲/۲۲۴)

ان المھر وجوباً حق الشرع علی مامر و انما تصیر حقاً لھا فی حالة البقاء فتملک الا یراء دون النفی

والله اعلم بالصواب

مفتی آفتاب عالم عفا اللہ عنہ،

مدرسہ امجدیہ، دانش آباد، پشاور۔

۱۸-۱۲-۱۴۲۷ھ

ایک خط

السلام علیکم!

حضرت سب سے پہلے آپ کو اور سلسلے کے تمام ساتھیوں کو مبارکباد کہ ہمارے سلسلے نے آل پاکستان مسلم لیگ کی صد سالہ (۲۰۰۶-۱۹۰۶) تقریبات کوئز مقابلہ صوبائی اور ملکی سطح پر ٹاپ (Top) کیا ہے۔

حضرت تفصیل کچھ یوں ہے کہ یہ کوئز مقابلہ حکومتِ پاکستان نے PTV (پاکستان ٹیلی ویژن) کی وساطت سے منعقد کیا تھا۔ پہلے مرحلے میں صوبائی سطح پر مقابلے ہوئے۔ چاروں صوبوں اور مرکز میں دو راؤنڈ ہوئے ۔ان مقابلوں میں جو دو، دو طلباء First اور Second راؤنڈ میں کامیاب ہوئے ،اُن کو Final (آخری فیصلہ کن مرحلہ) کے لیے کراچی بلایا گیا تھا۔

حضرت ہمارے صوبے (سرحد) میں یہ کوئز مقابلہ تقریباً دو مہینے پہلے منعقد ہوا تھا جس میں صوبے کے طلباء وطالبات کو بلایا گیا تھا۔ بندہ نے اس میں اپنی یونیورسٹی (Preston University) کی نمائندگی کی۔

اس دوران میری عجیب حالت تھی۔ میں تقریباً ایک مہینے سے اس شش و پنج میں تھا کہ داڑھی رکھوں یا نہیں، سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ساری ساری رات یہی سوچتا رہتا حتیٰ کہ صبح ہوجاتی۔ مجھے یونیورسٹی والوں نے ایک دن پہلے بتایا کہ کل ٹیلی ویژن سنٹر میں اس طرح مقابلہ ہے اور تم اس میں یونیورسٹی کی طرف سے شمولیت کروگے۔ ساری رات اسی سوچ میں گزر گئی کہ داڑھی رکھوں یا نہ رکھوں اور مقابلے کی کوئی تیاری نہ کرسکا۔ اللہ کا شکر ہے کہ بچپن سے مطالعے کا شوق ہے اور اُن دنوں حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ کی کتاب ''نقشِ حیات'' زیرِ مطالعہ تھی، سوچ رہا تھا اس سے کچھ مدد لوں گا۔ میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ

کیا ہوگا۔ ساری رات میں مذکورہ بالا کشمکش میں مبتلا رہا۔ نیند پوری نہیں ہوئی تھی ۔ پانچ دن کے بڑھے ہوئے Shave (حجامت) کو دیکھا تو دل بجھ سا گیا، Razor کو ایک طرف رکھا اور Shave نہیں بنائی۔ PTV سنٹر چلا گیا وہاں پر لڑکے لڑکیاں آئی ہوئی تھیں ۔ میں عجیب حلیہ لے کر گیا تھا اور سب سے الگ بیٹھا تھا اور دل ہی دل میں تسبیحات کا ورد کر رہا تھا اور اپنے آپ سے باتیں بھی کر رہا تھا کہ جلدی سے مقابلہ ہو میں ہار جاؤں اور لڑکیوں کے اس جمگھٹے سے نکل جاؤں ۔ اس کے علاوہ اس دن ہمارا جمعے کا ختم بھی تھا اُس کی بھی جلدی تھی ۔سب کے ساتھ بڑی بڑی کتابیں تھیں اور میں ایسے ہی بیٹھا تھا۔ اس مقابلے میں IMS، خیبر میڈیکل کالج، جناح کالج برائے خواتین، ہوم اکنامکس کالج، ایڈورڈ کالج، سِٹی یونیورسٹی، انجینئرنگ یونیورسٹی، اقراء یونیورسٹی اور ہماری پریسٹن یونیورسٹی کے طلباء و طالبات نے حصہ لیا۔ پشاور یونیورسٹی کی شعبۂ مطالعہ پاکستان کا ایک لیکچرار بھی سٹوڈنٹ بن کے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے کامیابی ہمارے سلسلے کے حصے میں آئی اور میں نے پہلی پوزیشن حاصل کی ۔ دوسرے راؤنڈ میں شعبۂ مطالعہ پاکستان نے پہلی پوزیشن حاصل کی ۔ صوبہ سرحد سے ہم دولڑکے منتخب (Select) ہوکر Final میں پہنچ گئے ۔

حضرت مجھے بار بار الطاف صاحب والا واقعہ یاد آرہا تھا جو آپ نے ایک بیان میں ذکر فرمایا کہ بڑھی ہوئی Shave اور سفید ٹوپی پہنے ہوئے انٹرویو کے لئے گئے تھے اور کافی سارے لوگوں میں سے اُنہی کا انتخاب ہوا تھا۔ اُس دن سے میں نے Shave کرنے سے توبہ کی اور داڑھی رکھنے کی نیت کرلی کہ یہ تو ایک دنیاوی فائدہ تھا، اُخروی فائدے کتنے ہوں گے ۔ ہماری یونیورسٹی میں لباس پر بہت زور دیا جاتا ہے لیکن میں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ میں فائنل جیتوں یا ہاروں لیکن داڑھی کو خوب چمکا کر، سفید ٹوپی پہنے اور کھلے ٹخنے جاؤنگا۔ میں اکثر کہتا تھا کہ میں جیتوں یا ہاروں لیکن سنتِ نبویؐ کا ۱۴ کروڑ عوام کے سامنے ضرور مظاہرہ کروں گا۔

کراچی کے پروڈیوسر نے فون نمبر لیا تھا اور دو پاسپورٹ سائز فوٹو اور قومی شناختی کارڈ کی کاپی لی تھی۔ ۱۰ مارچ کو مجھے جہاز کا ٹکٹ بھیج دیا گیا اور ۱۱ مارچ کو ہم دو بندے کراچی پہنچ گئے۔ وہاں پر ہمیں ایک Five Star ہوٹل Regent Plaza میں ٹھہرایا گیا۔ تین، تین بندے پنجاب اور سندھ سے اور دو، دو سرحد، بلوچستان اور اسلام آباد سے کامیاب ہو کر فائنل میں حصہ لینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ہمارے قیام وطعام کا بندوبست PTV نے کیا تھا۔ حضرت آپ کے اس مرید نے جہاز اور ہوٹل دونوں جگہ یہودی کمپنیوں کا مشروب Pepsi اور Nestle کا دودھ پینے سے انکار کیا تھا اور صرف سرخ چائے پی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہاں پر بھی خیر ہوئی۔ میں نے الطاف صاحب سے فون پر وظیفہ مانگا تھا لیکن کسی وجہ سے وہ نہ دے سکے۔

ہم کمرے میں دو لڑکے ٹھہرے ہوئے تھے۔ صبح روانگی کے وقت دوسرا لڑکا کمرے سے باہر گیا ہوا تھا۔ میں نے دو رکعت صلوٰۃ حاجت پڑھ کر خوب گریہ وزاری کے حالت میں اللہ سے مانگا۔ حضرت شیخ زکریاؒ کی آپ بیتی ان دنوں زیرِ مطالعہ ہے اُس کا ایک اقتباس یاد تھا کہ ایسے موقع پر حسبنا اللہ ونعم الوکیل پانچ سو بار پڑھنی چاہیئے وہ پڑھا اور دورانِ مقابلہ بھی دل ہی دل میں ورد کرتا رہا۔ اگر میں آپ کی بات نہ مانتا اور آپ بیتی پڑھنے میں دیر کرتا تو شاید آج میں اس اعزاز سے محروم رہتا۔ حضرت بہت سخت مقابلہ ہوا۔ وہاں پر بھی پروڈیوسر نے پوچھا کہ آپ Recording اسی ٹوپی اور کپڑوں میں کریں گے؟ میں نے کہا ضرور۔ خوب ٹخنے کھلے رکھے، ٹوپی سر پر سیدھی کی، وظیفہ پڑھنے لگا اور کیمرے آن ہو گئے۔ یقین کریں حضرت میرے حصے میں مشکل ترین سوال آئے تھے لیکن اُس روز سلسلے کی برکات کا واضح پتہ چلا اور جب نمبر شمار ہوئے تو میرے نمبر سب سے زیادہ بنے اور میں پہلے انعام کا

حقدار قرار پایا۔ دوسرے نمبر پر سندھ اور تیسرے پر پنجاب رہا۔ مجھے ۵۰۰۰۰ روپے نقد انعام، ٹرافی اور سرٹیفکیٹ دیا گیا۔ دوسری پوزیشن کو ۲۵۰۰۰ روپے اور تیسری کو ۱۵۰۰۰ روپے ملے۔

حضرت بھائی میرا انگلینڈ سے واپس آ گیا ہے۔ میں اکثر سوچتا تھا کہ پانچ مہینے تعلیم کے رہ گئے ہیں اب فیس کس سے مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔ حضرت میں بہت خوش ہوں۔ یہ سب آپ کی دعاؤں اور توجہ کی برکت ہے اور سلسلے کی برکات تو اس سے بھی زیادہ ہیں۔

کہاں اتنی عزت اور کہاں میں۔ یہ تو کبھی کبھی وفورِ شوق میں جب آپ کے جوتے اُٹھاتا تو اُس پر لگی ہوئی مٹی کو اپنے چہرے پر مَلتا، یہ سب آپ کے جوتوں کا صدقہ ہیں۔

؎ جب تک بِکے نہ تھے تو کوئی پوچھتا نہ تھا
تم نے خرید کر مجھے انمول کر دیا

حضرت اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس کتے کو تاریخ کا حصہ بنا دیا کہ مسلم لیگ کے صد سالہ تقریبات کا کوئز مقابلہ صوبہ سرحد کے حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ کے ایک خادم حسن نواز نے جیتا تھا۔ کل کسی کوئز میں کسی سے یہ سوال بھی ہو سکتا ہے۔ حضرت اس مقابلے کی ریکارڈنگ PTV ۳ اپریل کو نشر کرے گا۔

آپ کا خادم،
حسن نواز
(طالب علم بی بی اے پریسٹن یونیورسٹی)

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاء اللہ ۲۸ اپریل ۲۰۰۷ بروز ہفتہ بعد نماز مغرب ہوگا۔

وعظ و تبلیغ کے اہم آداب

(مجالس حکیم الامت از مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت حکیم الامت ایک مجلس میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''ہمیشہ وعظ و تبلیغ میں میری یہ عادت رہی ہے کہ بات کتنی بری اور لوگوں کے مذاق کے خلاف ہو مگر عنوان نہایت نرم اور حتی الامکان ایسا رکھتا تھا کہ دل قبول کرے، لوگوں کو وحشت اور نفرت نہ ہو اور دل آزار الفاظ سے ہمیشہ اجتناب کرتا تھا۔ مخالفین کے جواب میں میرا ہمیشہ یہی معمول رہا ہے اور اسی سے نفع ہوتا ہے۔

ایک دفعہ ایک قصاب کی درخواست پر میں جونپور گیا، انھیں کے مکان پر مہمان ہوا۔ وہاں میرے پاس ایک خط نظم میں پہنچا جس میں یہ چار چیزیں میرے متعلق لکھی تھیں۔

اول یہ کہ تم جاہل ہو

دوسرے یہ کہ تم جولاہے ہو

تیسرے یہ کہ تم کافر ہو

چوتھے یہ کہ وعظ کرنے بیٹھو تو پگڑی سنبھال کر بیٹھنا

میں نے کسی سے اس خط کا تذکرہ نہیں کیا۔ اگلے روز جب وعظ کا وقت آیا تو منبر پر بیٹھ کر میں نے لوگوں سے کہا صاحبو! وعظ سے پہلے مجھے آپ لوگوں سے ایک مشورہ کرنا ہے۔ وہ یہ کہ مجھے یہ خط ملا ہے اس میں چار چیزیں ہیں۔ پہلے جزو کے متعلق تو مجھے اس لئے کچھ کہنا نہیں ہے کہ یہ صاحب مجھے جاہل لکھتے ہیں اور میں خود اپنے اجہل (بڑا جاہل) ہونے کا معترف ہوں۔ اسی طرح دوسرے جزو کے متعلق بھی کچھ نہیں کہنا کیونکہ اول تو جولاہا ہونا کوئی عیب نہیں اور اگر کسی درجہ میں ہو بھی تو وہ غیر اختیاری امر ہے جیسے کوئی اندھا ہو یا کانا ہو تو مآل (آخری نتیجہ) اس کا بھی یہی ہے کہ یہ کوئی قابل بحث بات نہیں۔ دوسرے یہ کہ میں یہاں کوئی شادی کرنے تو نہیں آیا کہ میں نسب کی تحقیق کراؤں۔ تیسرے یہ کہ اگر کسی کو بلا وجہ میرے نسب کی تحقیق کرنا ہو تو میں اپنی زبان سے کیا کہوں میرے وطن کا پتہ اور وہاں کے عمائد کا نام دریافت کر کے اُن سے تحقیق کر لیں کہ میں جولاہا ہوں یا

کون؟

اسی طرح تیسرے جزو کے متعلق بھی مجھے مشورہ کرنا نہیں ہے کیونکہ پچھلی حالت کے متعلق مجھے بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ میں کافر تھا یا مسلمان۔ میں اس وقت سب کے سامنے کلمہ پڑھتا ہوں اشھد ان لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ اب تو میں مسلمان ہوگیا اور جب تک ایمان کے خلاف کوئی بات مجھ سے ظاہر نہ ہو اُس وقت تک مسلمان ہی کہا جائے گا۔ البتہ چوتھے جزو کے متعلق مجھے آپ حضرات سے مشورہ کرنا ہے۔ وہ یہ کہ وعظ میں میرا معمول ہمیشہ سے یہ ہے کہ بالقصد اختلافی مسائل بیان نہیں کرتا بلکہ حتی الامکان اس سے بچتا ہوں لیکن اگر دورانِ تقریر میں کہیں آجاتے ہیں تو پھر رکتا بھی نہیں، البتہ عنوان نرم اور ایسے الفاظ کا اہتمام کرتا ہوں جو دل آزار نہ ہوں۔ اب اگر وعظ کہوں گا تو اسی آزادی کے ساتھ کہوں گا اس کا نتیجہ پھر جو کچھ بھی ہو۔ اس لئے مشورہ طلب یہ امر ہے کہ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ تو ہے نہیں اور مجھے شوق بھی نہیں، لوگوں کی درخواست پر کہہ دیتا ہوں۔ اب اگر آپ حضرات درخواست کریں اور مشورہ دیں تو میں کہوں ورنہ چھوڑ دوں۔

پھر فرمایا آپ کو مشورہ دینے کے لئے میں خود بھی اپنی رائے ظاہر کئے دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ وعظ تو ہونے دیا جاوے اور غالباً وہ صاحب بھی اس مجمع میں موجود ہونگے جن کا یہ خط ہے تو وہ جس جگہ کوئی ناگوار بات محسوس کریں اس وقت مجھے روک دیں۔ میں اُسی وقت وعظ بند کردوں گا۔ یا اگر اس میں ان کو کچھ حجاب مانع ہو تو میں آج بعد ظہر مچھلی شہر چلا جاؤں گا۔ میرے جانے کے بعد میرے وعظ کی خوب تردید کردیں۔ یہ کہہ کر میں خاموش ہوگیا اور لوگوں سے کہا کہ اپنی رائے بیان کریں۔ چاروں طرف سے آوازیں آئیں کہ آپ ضرور وعظ کہیں اور آزادی سے کہیں۔

میں نے وعظ کہا اور حسب عادت ترغیب وترہیب اور اصولِ شرعیہ بیان کئے۔ پھر ضمناً بعض فروع کی بحث آئی تو اتفاقاً اس میں بدعات ورسوم کا بھی ذکر آگیا تو خوب کھل کر بیان کیا۔ تمام مجمع محو حیرت تھا۔ ختم وعظ کے بعد جونپور کے ایک مشہور مولانا صاحب نے اتنا کہا کہ مولانا ان چیزوں کی تو حاجت نہ تھی۔ میں نے نہایت بے تکلفی کے ساتھ کہا کہ مجھے اس کی خبر نہ تھی میں نے حاجت سمجھ کر بیان کیا۔ اگر آپ مجھے وقت پر متنبہ فرمادیتے تو میں نہ بیان کرتا۔ (باقی صفحہ ۳۲ پر)

ایک اصلاحی، روحانی اور تربیتی اعتکاف

(مفتی آفتاب عالم صاحب، مدرسہ امجدیہ، پشاور)

پشاور یونیورسٹی کو پاکستان کی دیگر یونیورسٹیوں میں یہ امتیاز اور خصوصیت حاصل رہی ہے کہ یہاں بعض اولیاء اللہ، خاصانِ خدا اور علمائے حق فروکش رہے ہیں۔ بالخصوص ولیٔ کامل، عارف باللہ حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی نور اللہ مرقدہٗ کہ آپؒ کی برکات آج بھی یہاں پر جاری و ساری ہیں۔ حضرت مولانا قدس سرہٗ کی زندگی بڑی ہنگامہ خیز اور ابتلاء و آزمائشوں سے پر تھی۔

۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۱ء تک پاکستان میں کمیونزم اور سوشلزم کی تخم ریزی کے لئے بڑی کوششیں ہوئیں۔ اس سلسلے میں بعض یونیورسٹیوں میں سرگرمیاں شروع ہوگئی تھیں۔ پشاور یونیورسٹی بھی اس کی زد میں تھی۔ تاہم تکوینی فیصلوں کے تحت اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے خیر اور اصلاح کی صورتیں فرماتے رہتے ہیں۔ حضرت مولانا اشرف قدس سرہٗ کی بے پناہ روحانی قوت، سوزِ دروں اور خداداد حکمت وبصیرت سے یونیورسٹی میں دعوتی، اصلاحی اور علمی فضا قائم ہوگئی۔

حضرت والا کی وفات کے بعد آپؒ کے خلیفۂ خاص حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہم اور دیگر خلفاء نے حضرت کے اس مشن کو سنبھالا اور اسے آگے بڑھایا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ خیبر میڈیکل کالج میں اناٹومی ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین ہونے کے باوصف تصوف اور سلوک کی محنت کے ذریعے اصلاح وتربیت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ہفتہ میں مختلف مقامات پر اصلاحی بیانات اور مجالسِ ذکر پر مشتمل اٹھارہ اصلاحی مجالس کا اہتمام فرماتے ہیں۔ اصلاحی مکاتیب کے ذریعے مریدین اور متعلقین واحباب کو مستفید کرنے کا مشکل کام بھی آپ خود سنبھالے ہوئے ہیں۔ مریدین اصلاح وتربیت کی غرض سے آپ کے ہاں ٹھہرتے بھی ہیں۔ نیز ماہوار اصلاحی مجلّہ ''غزالی'' بھی آپ کی نگرانی میں شائع ہوتا ہے۔ آنجناب بعض دینی مدارس کی سرپرستی بھی فرمارہے ہیں۔

اصلاح وتربیتی کام کے سلسلہ میں حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کے زیرِ نگرانی ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں یونیورسٹی کے اندر مدینہ مسجد میں اعتکاف کا اہتمام ہوتا ہے۔ اعتکاف کیا

ہوتا ہے ایک اصلاحی، تربیتی اور روحانی اجتماع ہوتا ہے۔ یہ اجتماع اعتکاف کی اپنی فضیلت اور اجر و ثواب کے علاوہ دیگر دینی اور علمی فوائد کا حامل ہوتا ہے، جس میں دور دراز اور قریبی علاقوں سے علماء، طلباء، قراء، ڈاکٹرز، سرکاری ملازمین اور دیگر حضرات شرکت فرماتے ہیں۔ گزشتہ رمضان میں مجھے بھی حضرت کے زیرِ نگرانی اعتکاف کا موقع ملا جو بے حد مفید ثابت ہوا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اعتکاف کرنے والے حضرات اپنے اعتکاف کی نوعیت کے اعتبار سے دو قسم پر تھے۔ ایک قسم پورے عشرہ کا اعتکاف کرنے والے حضرات اور دوسری قسم نفلی اعتکاف کرنے والے حضرات کی تھی۔ سنت اعتکاف کرنے والے حضرات کی تعداد تقریباً ۶۵ تھی جبکہ نفلی اعتکاف کے شرکاء کی تعداد کم و بیش ہوتی رہی۔ نفلی اعتکاف والے حضرات وہ تھے جو کسی عذر، سرکاری ملازمت وغیرہ کی وجہ سے پورے دس دن کا اعتکاف نہیں کر سکتے تھے۔

معمولاتِ معتکفین: نماز فجر کے بعد ساتھی انفرادی ذکر و تلاوت میں لگ جاتے۔ اشراق پڑھنے کے بعد آرام کا موقع دیا جاتا۔ دوپہر کو فرائضِ نماز، نماز کا مسنون طریقہ، وضو کا طریقہ وغیرہ مذاکرے ہوتے تھے۔ جب حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ میڈیکل کالج سے تشریف لاتے تو حضرت کا بیان شروع ہو جاتا جو نمازِ ظہر تک جاری رہتا۔ اس کے بعد نماز عصر تک کچھ ساتھی آرام کرتے اور کچھ ذکر و تلاوت اور مطالعۂ کتب میں مشغول ہو جاتے۔ حفاظ حضرات رات کی تراویح میں قرآن سنانے کے لئے تیاری کرتے۔

معتکفین کے لئے مسجد میں ایک چھوٹی سی لائبریری قائم کر دی گئی تھی جس میں مفید دینی، علمی اور اصلاحی کتب رکھی گئی تھیں۔

نماز عصر کے بعد کتاب سے تعلیم کا سلسلہ ہوتا۔ یہ تعلیم عموماً حضرت شیخ زکریاؒ کی ''فضائلِ درود''، علامہ واقدی کی ''صحابہ کرام کے جنگی معرکے'' اور ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کی ''اصلاحِ نفس'' سے ہوتی تھی۔ نماز مغرب سے قبل حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کا ایمان افروز وعظ ہوتا تھا اس کے بعد جہری

ذکر ہوتا تھا۔ اجتماعی افطاری کا منظر بڑا پُر کیف اور قابلِ دید ہوتا تھا۔ تقریباً دو سو کے قریب افراد افطاری میں شریک ہوتے تھے، بڑی رونق ہوتی تھی۔ خدمت کے ساتھی پہلے سے دستر خوان کو فروٹ، پکوڑوں اور کھجوروں سے سجا لیتے۔ محترم اشفاق صاحب نے انتظامی امور کو خوب خوب سنبھالا۔ (جزاہُ اللّٰہ خیراً)۔

تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام: عشاء کی فرض نماز مقامی امام کے ساتھ باجماعت پڑھ کر معتکفین مسجد کے اندرونی ہال میں تراویح پڑھتے۔ جبکہ عام لوگوں کے لئے مختصر تراویح مسجد کے صحن میں ہوتی تھی۔ بحمد اللہ تعالیٰ سات حفاظ کرام موجود تھے، اس لئے تراویح میں یہ حضرات باری باری قرآنِ کریم سناتے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دس دن میں دو مرتبہ ختمِ قرآن کا اہتمام ہوا۔ تمام شرکاء ذوق وشوق سے قرآن سنتے۔ رات بارہ بجے کے قریب تراویح سے فارغ ہوکر حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کا مختصر اصلاحی بیان ہوتا تھا، اس کے بعد ساتھی آرام کرتے تھے۔

معتکفین ایک دوسرے سے خوش اخلاقی، اکرام اور تواضع سے پیش آتے تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کی طرف سے ہدایت تھی کہ جس کو کوئی شرعی مسئلہ درپیش ہو تو اعتکاف میں شریک مفتیان کرام سے زبانی پوچھ لیا کریں یا محترم الطاف صاحب کے پاس تحریری صورت میں جمع کرادیں تاکہ تحریری طور پر اس کا جواب دیا جائے۔ اور یوں استفتاء اور فتویٰ دینے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

الحمد للہ راقم نے ''انوارِ تصوف'' (مؤلف حضرت مولانا فضل مالک صاحب مدظلہٗ) کے اردو ترجمے کا کام بھی ان ہی ایام میں مکمل کرلیا۔ ''انوارِ تصوف'' پر حضرت ڈاکٹر مدظلہٗ نے نظر ثانی فرمائی۔ حضرت کو یہ کتاب بڑی پسند آئی۔ بعد میں حضرت مؤلف مدظلہٗ کی خواہش پر حضرت والا نے اس کتاب پر ایک جامع اور مفصل تقریظ بھی لکھ دی۔ (یہ کتاب عنقریب طبع ہونے والی ہے)۔

خلاصہ یہ کہ اجتماعی اعتکاف کا یہ سلسلہ بے حد مفید رہا۔ تمام شرکاء نے اس کی افادیت کا اظہار کیا۔ خود راقم کو ذاتی طور پر بہت فائدہ ہوا۔ آخری دن متعدد شرکاء نے حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

عید کا چاند نظر آنے کی اطلاع موصول ہونے پر حضرت والا نے ساتھیوں کو جمع کر کے دعا فرمائی اور یوں ساتھی اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ البتہ دور دراز علاقوں جیسے چترال وغیرہ کے حضرات رات گزار کر صبح عید کی نماز کے بعد گھروں کے لئے رخصت ہوئے۔

تزکیہ

(ڈاکٹر محمد طارق، چیئرمین شعبۂ فزیالوجی، کبیر میڈیکل کالج، پشاور)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰیO (اعلیٰ:۱۴)

یعنی یقیناً کامیاب ہوا وہ جو پاک ہوا۔

شریعت میں دو اصطلاحیں (Terms) استعمال ہوتی ہیں ایک طہارت اور دوسری تزکیہ۔ دونوں کے لغوی معنی صفائی کے ہیں مگر اصطلاح میں طہارت ظاہری صفائی کو کہتے ہیں یعنی بدن پر جو میل وغیرہ اور نجاست لگ جائے اُس کے دور کرنے کو طہارت کہتے ہیں ۔ یہ طہارت پانی سے اچھی طرح دھونے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ نجاست حکمیہ یعنی ہوا خارج ہونا یا حالتِ جنابت میں ہونا گو ظاہری نجاست بدن پر نہ لگی ہو، ان صورتوں میں بھی وضو، غسل اور تیمّم کر کے پاکی حاصل کرنا بھی طہارت کے زمرے میں آتا ہے۔

تزکیہ اصطلاح میں باطن کی صفائی کو کہتے ہیں ۔ جس طرح ظاہری نجاست سے بدن میلا ہوتا ہے اسی طرح انسان کا باطن خراب عقائد اور گناہوں سے گندا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ لگ جاتا ہے۔ اگر توبہ کر لے تو وہ داغ صاف ہو جاتا ہے۔ توبہ نہ کرے اور دوسرا گناہ کرے تو ایک اور سیاہ داغ دل پر لگ جاتا ہے۔ اس طرح کرتے کرتے پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ گناہوں سے دل کو زنگ لگ جاتا ہے۔ بتقاضائے بشریت انسان سے خطائیں ہوں گی، گناہ ہوں گے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور احسان سے انسانوں کو باطن کی گندگی کو صاف کرنے کے لئے احکامِ شرعیہ عطا فرمائے اور قرآنِ کریم میں دین اسلام کو ایک نعمت فرمایا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ج (المائدہ:۳)

چنانچہ جب انسان سے گناہ اور خطائیں سرزد ہوتی ہیں اور اُن کے غبار سے انسان کا باطن

میلا ہوتا ہے تو یہ شریعت کے احکام اور اعمال اُن کے لئے صافی کا کام کر کے اُن کو صاف کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک صَیقل (صاف کرنے والا) ہوتا ہے اور دلوں کا صَیقل ذکر ہے۔ ایک اور حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ پانچ نمازوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے گھر کے سامنے ایک ندی ہو جس کا پانی خوب گہرا ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ بار نہائے تو جس طرح اُس کے بدن پر کوئی میل باقی نہیں رہے گا۔ اسی طرح پانچ نمازوں کی پابندی کرنے والے پر کوئی گناہ (صغیرہ) باقی نہ رہے گا۔ آیت شریف میں آیا ہے کہ

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھَا عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ۔ (العنکبوت: ۴۵)

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب آدمی فجر کی نماز پڑھ لے اور پھر ظہر کی نماز پڑھ لے تو فجر اور ظہر کے درمیان جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہوں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے معاف فرما دیتا ہے، اسی طرح جب عصر کی نماز بھی پڑھ لے تو ظہر اور عصر کے درمیان ہونے والے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر دو نمازوں کے درمیان ہونے والے صغیرہ گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔ البتہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ معاف نہیں ہوتے اور توبہ سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس طرح حج کے بارے میں آیا ہے کہ مقبول حج سے آدمی گناہ سے ایسی پاک ہو جاتا ہے جیسے ابھی پیدا ہوا ہو۔

عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور معاشرت کو درست کرنے سے اور اُن کو شریعت کے ترازو پر تولنے سے انسان کے اندر کی غلاظتیں اور خباثتیں دُھل جاتی ہیں اور قلب کی ظلمت چھٹ جاتی ہے اور قلب منور ہو جاتا ہے۔ صوفیائے کاملین اپنے مریدوں کو ایسے ہی ترتیب سے گزارتے ہیں کہ اُن کے عقائد درست ہوں، عبادات کی پابندی کریں، معاملات میں احتیاط پیدا ہو، اخلاقِ رذیلہ (کبر، لالچ، کینہ، ریا وغیرہ) سے خالی ہوں، اخلاقِ فاضلہ (اخلاص، تواضع، صبر، قناعت، خیر خواہی، محبت وغیرہ) سے متصف ہوں اور معاشرت سنور جائے۔ گویا مکمل تزکیہ باطن حاصل ہو جائے جس پر کامیابی کا مدار مذکورہ بالا آیت میں بیان ہوا ہے۔ ایک اور آیت میں فرمایا ہے

فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدۡخِلَ الۡجَنَّۃَ فَقَدۡ فَازَ ؕ (العمران: ۱۸۵)

یعنی جو بچ گیا آگ (جہنم) سے اور داخل ہوا جنت میں یقیناً ہوا وہ کامیاب۔

ایک جگہ فرمایا کہ کامیاب ہوا وہ جو پاک ہوا اور دوسری جگہ فرمایا کہ جو جنت میں داخل ہوا وہ کامیاب ہوا۔ گویا جنت میں داخل ہونے کے لئے پاک ہونا لازمی قرار پایا۔ جنت پاک جگہ ہے اور اُس میں پاک لوگ ہی داخل ہوں گے۔ پاکی حاصل کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ آدمی اپنی خوشی اور دل کی چاہت سے شریعتِ مطہرہ کے احکام و اعمال کی پابندی کرے اور دین کے پانچوں شعبوں (عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور معاشرت) کو درست کرنے کی فکر میں لگے تو کرتے کرتے اس کو صفائی باطن (تزکیہ) حاصل ہو جائے گا اور جنت میں داخلے کے قابل ہو جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی مرضی اور خوشی سے تزکیہ کی ترتیب کو اختیار نہیں کرتا مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے بہت محبت ہے جیسا کہ آیا ہے کہ اللہ کو اپنے بندے سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے اس دنیا میں زبردستی پاک کرتا ہے تا کہ وہ جنت میں داخلے کے قابل ہو سکے۔ تو بندے کو مصیبتوں، تکالیف، بیماریوں وغیرہ میں مبتلا کر دیتا ہے تا کہ اُس کے گناہ دُھل جائیں اور وہ صاف ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بیمار سے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درخت سے سوکھے پتے جھڑتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ مؤمن کو کانٹا چبھنے سے جو تکلیف ہوتی ہے اُس کا بھی اُس کو اجر ملتا ہے۔ تو ہر تکلیف پر انسان کو اجر و ثواب ملتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔

اگر ان دو صورتوں سے صفائی نہ ہو اور بندہ گناہوں کی غلاظت سمیت اس دنیا سے چلا جائے تو پھر اُس کی گندگی کو جہنم کی آگ سے صاف کیا جائے گا تا کہ جنت میں داخلے کے لئے فِٹ ہو جائے جس طرح سونے کو آگ میں تپا کر کندن بنایا جاتا ہے۔ البتہ کچھ گناہوں مثلاً کفر، شرک، نفاق کی گندگی ایسی ہے کہ وہ جہنم کی آگ سے بھی صاف نہیں ہوتی اور ایسے لوگ کبھی جنت میں نہ جا سکیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں پڑ کر تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ٥

(البقرہ:۳۹)

یعنی جو لوگ انکار کریں اور جھٹلائیں ہماری آیتیں وہی ہیں جہنم والے رہیں گے اس میں ہمیشہ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں کامل اصلاحِ باطن کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا کر جنت میں داخل فرمائے۔ آمین۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا مجاہدۂ نفس

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب کا انتخاب از سیرتِ اشرفؒ جلد:۲)

یوں تو انسان اپنی ہر چیز کی نگرانی اور حفاظت کرتا ہے۔ مگر جس چیز کی زیادہ نگرانی کی ضرورت ہے اس سے بالعموم غفلت برتی جاتی ہے۔ یعنی انسان اپنے نفس کی اتنی نگرانی نہیں کرتا، حالانکہ فی الحقیقت مال کا ضیاع نفس کے معصیت میں مبتلا ہونے کے ابتلا سے کم تر ہے۔ کیونکہ دولتِ باطنی کی بقا کا تمام تر دارومدار نفس کی نگہداشت پر ہے اور باطن کا اثر ظاہر پر ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ العزیز اپنے رسالہ **الامر الحکم المربوط فیما یلزم اصل طریق اللہ من الشروط** میں لکھتے ہیں کہ:

''پس جبکہ شیخ ہر روز اپنے حالات کی نگرانی اسی طریق سے نہ کرے، جس سے اس کی ایک تمکین (یعنی دوام اطاعت اور کثرتِ ذکر کی عادت) حاصل ہوتی ہو۔ تو (عجب نہیں) کہ وہ دھوکے میں پڑ جائے اور آہستہ آہستہ طبیعت اور عادتِ قدیمہ اس کو اپنی طرف کھینچ لے۔ اور پھر وہ خلوت (تنہائی) میں بھی رہنا چاہے تو اُنس حاصل نہ ہو بلکہ خلوت سے وحشت ہونے لگے۔ اور یہی حال ہے ان تمام حالات و کیفیات کا جو نفس کی طبیعت و جبلت کے موافق نہیں، کہ ان حالات کے حصول پر اعتماد نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ بہت سریع الزوال (جلد ختم ہونے والے) ہوتے ہیں اور ہم نے بہت سے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے درجہ سے گر گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انکو عافیت عطاء فرمائے۔''

اسی طرح لوگوں سے تعلق بڑھانے کو سخت مضر بتایا کہ:

''اگر تم ارتباط بالاحباب (دوستوں کے ساتھ ملنے) کی وجہ سے معمولات کو ناغہ کرو گے۔ تو ایک دِن بالکل کورے ہو جاؤ گے۔

من لا ورد له لا وارد له'' (جو وردو وظائف کی پابندی نہیں کرے گا اُس کو باطن کے کمالات نہیں حاصل ہوں گے)

چنانچہ انہی اُصول و قواعد کے تحت آپ سالکین کی تعلیم و تربیت فرماتے رہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا○اِذَامَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ○وَاِذَامَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا○ (المعارج:۱۹تا۲۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نفس کے تمام رذائل کو جمع فرمایا اور بیان فرما دیا ہے کہ جتنے فضائل نفس کو حاصل ہیں، وہ اس کے جبلی اور طبعی نہیں۔ اسلئے ان کا تحفظ واجب ہے۔''

اسی طرح شیخ ابومدین مغربی جو حضرت شیخ اکبر کے مشائخ میں سے ہیں۔ طبقاتِ کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ:

''جو درویش اپنی باطنی زیادتی اور کمی کو ہر دم محسوس نہ کرتا رہے، وہ درویش نہیں۔''

شاہانِ طریق کی اس تحقیق کے آئینہ میں جب ہم حضرت تھانویؒ کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو آپؒ کو ہر وقت نگرانی نفس میں مشغول پاتے ہیں۔ جو شخص خود اپنے نفس کی نگرانی ونگہداشت نہ کر سکے وہ دوسروں کی نفسانی امراض کا کماحقہٗ علاج کیسے کر سکتا ہے؟ اسی لئے حضرت تھانویؒ کے ہاں ظاہری ریاضات ومجاہدات کی طرف بالکل اعتناء نہیں برتا جاتا تھا۔ مگر باطنی مجاہدات کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی۔ جس کی بناء پر آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

''میرے طریق میں تو عمر بھر لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں۔ گویا جنم کا روگ لگ جاتا ہے۔ میرے یہاں تو وہ آوے جس کو رات دِن اپنے نفس پر آرے چلانے ہوں۔''

مگر یہ آرے بھی سرتا سر قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مطابق ہی چلانے پڑتے تھے۔ دوسرے مشائخ کی طرح یہاں یہ دستور نہ تھا کہ اپنے مریدین سے گھنٹہ گھنٹہ دو دو گھنٹہ ذِکر و شغل کرا لینا اور پھر انہیں خلاف شرع وضع قطع وغیرہ اُمور میں بالکل آزاد چھوڑ دینا۔ حضرت تھانویؒ کا تو یہ اُصول تھا کہ نہ ریاضات کراتے تھے، نہ مجاہدات، نہ ترکِ تعلقات کراتے تھے، نہ ترکِ لذات ومباحات بلکہ تاکید فرماتے تھے کہ:

''خوب راحت وآرام سے رہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو اور طبیعت میں نشاط رہے۔ جو معین عبادات ہو۔ البتہ معصیت کے پاس نہ پھٹکو اور نفس کی ہر وقت نگرانی رکھو۔ اور ہمت سے کام لو۔ اور بقدر تحمل وفرصت کچھ ذِکر و شغل بھی کرتے رہو۔ انشاء اللہ مقصود کا حصول یقینی ہے۔ نہ کم کھانے کی ضرورت ہے، نہ کم سونے کی۔ یہ دونوں مجاہدے آج کل متروک ہیں کیونکہ طبائع میں پہلے ہی ضعف غالب ہے۔ البتہ کم بولنا اور کم ملنا جلنا ضروری ہے۔ لیکن نہ اتنا کہ قلب میں انقباض (بوجھ) پیدا ہو جائے۔''

اور اسی پر آپؒ کا عمل تھا، جس پر ایک حقیقت شناس نے کہا:

''حضرت تھانویؒ کا سلوک تو شاہی سلوک ہے۔''

ایک دفعہ ایک صاحب نے کسی کے ترکہ سے پانچ سو روپے بذریعہ بیمہ مصارف خیر کے لئے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں بھیجے۔ مگر اس کے بھیجنے کے متعلق پہلے اجازت نہ لی۔ اس لئے حضرتؒ نے حسب معمول بیمہ واپس کر دیا۔ اس پر انہوں نے ایک معذرت نامہ بھیجا اور رقم بھیجنے کی اجازت چاہی۔ اس خط سے معلوم ہوا کہ اس پانچ سو روپے میں زیادہ حصہ تو ان ورثاء کا ہے جو اسے مصارف خیر میں صرف کرنے کی اجازت دے چکے ہیں۔ اور قلیل حصہ ایسے ورثاء کا ہے جن سے اس امر کی اجازت حاصل نہیں کی گئی۔ اس لئے حضرت تھانویؒ نے کلی طور پر ممانعت لکھ

بھیجی کہ چونکہ بعض ورثاء کی اجازت حاصل نہیں کی گئی، اس لئے یہ رقم نہ بھیجی جائے۔

مجلسِ عام میں اس واقعہ کا ذِکر کرتے ہوئے حضرتؒ نے اس فضیلت کا انکشاف فرمایا کہ ''ممانعت کلی لکھتے وقت میرے نفس نے کہا کہ رقم کے اس حصہ کو تو بھیجنے کی اجازت لکھ دی جائے جس کے متعلق ورثاء کی اجازت لی جا چکی ہے۔ اچھا ہے مساکین کا بھلا ہو جائیگا۔ لیکن میں نے اپنے نفس سے کہا کہ اچھا آپ اپنے اُستاد کو بھی پٹی پڑھانا چاہتے ہیں۔''

اور اس طرح آپؒ فریبِ نفس سے بچ گئے، جو صرف نگرانی نفس کی برکت تھی کیونکہ:

حضرت تھانویؒ جہاں طالبین کے نفوس کی ہر وقت دیکھ بھال کرتے رہتے تھے۔ وہاں اپنے نفس کی بھی نگرانی رکھتے تھے اور اسے اُبھرنے کا ذرا موقع نہ دیتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ:

''اگر بیگمات گھر سے کہیں گئی ہوئی ہوتی ہیں اور کوئی غیر محرم عزیز یا مہمان یا کام کاج کرنے والی عورت یا لڑکی گھر میں ہوتی ہے، تو میں اس زمانہ میں گھر جانا ہی چھوڑ دیتا ہوں۔ اور اگر کوئی ضروری بات کہنی یا سُننی ہوتی ہے تو دہلیز ہی میں کھڑے کھڑے کہہ سُن لیتا ہوں، اندر نہیں جاتا۔ یہ میں اس لئے اوروں کو سُنا رہا ہوں کہ سب کو اس معاملہ میں غایت درجہ احتیاط رکھنی چاہیے۔ کیونکہ اول تو نفس کا کوئی اعتبار نہیں پھر خیالات کا بھی پاک صاف رکھنا ضروری ہے۔ بلکہ نابالغ نامحرم لڑکیوں سے بھی احتیاط چاہیے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی نابالغ لڑکی کے سر پر ہاتھ پھیرنے کا سبب تو شفقت ہی ہوتا ہے، لیکن سر پر ہاتھ رکھنے کے تھوڑی دیر بعد نفس کی آمیزش ہونے لگتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو عموماً ایسے دقائق نفسی (نفس کی باریکیاں) کی طرف اعتناء (خیال) بھی نہیں ہوتا اور وہ برابر شفقت ہی کے گمان میں رہتے ہیں۔ اس کی احتیاط واجب ہے۔''

ایک اور موقع پر فرمایا کہ:

''میں کسی مرد کو بھی اپنے پاس تنہائی میں نہیں آنے دیتا۔ گو یہ بات اپنی ذات میں تو معمولی ہے لیکن جو شخص مجھ سے اعتقاد رکھتا ہو، اس کے لئے یہ بہت بڑی بات ہے۔ کہ جب یہ پیر ہو کر بھی اپنے نفس کی اتنی حفاظت کرتے ہیں، تو ہمیں تو بہت ہی زیادہ حفاظت کرنی چاہیے۔''

''ایک مرتبہ آپؒ مولوی عبدالکریم صاحب گمتھلوی کے ہمراہ سفر فرما رہے تھے۔ آپؒ نے نارنول سے الور، الور سے دہلی اور دہلی سے پانی پت جانا تھا۔ نارنول میں جمعہ پڑھا، تو آپؒ نے شبِ جمعہ کو تہجد کے وقت کپڑے بدلنے کے لئے مولوی صاحب موصوف سے کپڑے مانگے۔ جن کی تحویل میں آپؒ کا بیگ تھا۔

اُنھوں نے چکن کا کُرتہ پیش کیا، فرمایا یہ نہیں۔ململ کا کُرتہ لائیے۔ جب وہ ململ کا کُرتہ لائے تو فرمایا کہ اچھا وہ چکن کا ہی لے آیئے، اس کو رکھ دیجئے۔ جب وہ چکن کا کُرتہ لائے تو فرمایا کہ کچھ خبر بھی ہے، میں نے یہ کیوں کیا۔بات یہ ہے کہ جب آپ چکن کا کُرتہ لائے تو مجھے خیال ہوا کہ یہ تو قصبہ ہے۔ یہاں ململ کا کُرتہ پہن لینا کافی ہے۔اس کے بعد دہلی بھی جانا ہے وہاں چکن کا کُرتہ پہننا مناسب ہوگا۔ (اس مصلحت سے کہ امراء کی نظر میں ذلت نہ ہو) میں نے اس خیال کی مخالفت کی۔‘‘

آپؒ نے صرف اسی پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ نفس کو اس سرتابی کی سزا دینے کے لئے الور سے دہلی روانہ ہوتے وقت کپڑے نہ بدلے۔ یہاں تک کہ دہلی میں بھی نہ بدلے حالانکہ کپڑے مَیلے ہو چکے تھے۔اور بوجہ نفاستِ مزاج مَیلے کپڑوں سے بہت اذیت ہورہی تھی مگر جب دہلی سے پانی پت پہنچے تو فوراً غسل فرما کر کپڑے بدل لیے، اور اس طرح آپؒ نے نفس کی خواہشِ عزت پوری نہ ہونے دی۔

نفس کی اس طرح نگرانی کرنے سے گو شروع میں تھوڑی سی کلفت ہوتی ہے مگر اس کے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں، اسی سے دائمی راحت کا سامان پیدا ہو جاتا ہے۔ایک مرتبہ کالپٹی کے سفر کے دوران میں خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ کے ایک ہم سبق انگریزی خواں پولیس آفیسر بھی ہم سفر تھے۔خواجہ صاحب بھی حضرتؒ کے ساتھ تھے، اُنھوں نے خواجہ صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرتؒ سے عرض کیا کہ ان کی حالت دیکھ کر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کی ہمت نہیں پڑتی۔ حضرتؒ نے فوراً فرمایا کہ:

’’اس کو نہ دیکھئے مگر یہ دیکھئے کہ گھڑی کا چابی دینے والا تو ایک مرتبہ ہی چابی دیتا ہے۔ پھر جو کچھ اس میں تغیرات ہوتے ہیں، وہ تو خود بخود اور بے تکلف ہی ہوتے رہتے ہیں کہ پہلے ایک بجا۔ پھر دو۔ پھر تین وقس علیٰ ہذا یعنی بظاہر ضرور دشواری نظر آتی ہے۔مگر اس دشواری کو ایک مرتبہ برداشت کر لینے سے جو تعلق مع اللہ پیدا ہو جاتا ہے، اس کی لذت کے مقابلے میں اس دشواری کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ قلب خود بخود اپنی اصلاح کی طرف راغب رہتا ہے اور جونہی کوئی ایسا ناگوار واقعہ پیش آتا ہے تو وہ فوراً اس کی کوئی نہ کوئی تاویل کر کے مطمئن ہو جاتا ہے۔اور اس طرح وہ ہر وقت باطنی ترقی کرتا رہتا ہے۔ اور اُس شخص سے بڑھ جاتا ہے جسے عباداتِ نافلہ کا تو اہتمام بہت ہوتا ہے لیکن قلب کی نگہداشت کا اہتمام نہیں ہوتا۔‘‘

اکابر علمائے دیوبند کی تواضع (گیارہویں قسط)

(مفتی فدا محمد صاحب، دار العلوم جامعہ رحمانیہ مینئی، صوابی)

حضرت شیخ الہند کے ہاں رمضان المبارک میں یہ معمول تھا کہ آپ کے یہاں عشاء کے بعد تراویح شروع ہوتی تو فجر تک ساری رات تراویح ہوتی تھی، ہر تیسرے یا چوتھے روز قرآن پاک ختم ہوتا تھا۔ ایک حافظ صاحب تراویح پڑھا کرتے تھے اور حضرت والا پیچھے کھڑے ہو کر سنتے تھے، خود حافظ نہیں تھے تراویح کے بعد حافظ صاحب وہیں حضرت کے ہاں تھوڑا آرام کرتے تھے۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ کوئی میرے پاؤں دبا رہا ہے، میں سمجھا کہ شاید کوئی شاگرد ہوگا چنانچہ میں نے دیکھا نہیں کہ کون دبا رہا ہے، کافی دیر گزرنے کے بعد جو میں نے مڑ کر دیکھا تو حضرت شیخ الہندؒ میرے پاؤں دبا رہے ہیں۔ میں ایک دم سے اٹھ گیا اور کہا حضرت یہ آپ نے کیا غضب کر دیا حضرت نے فرمایا کہ غضب کیا کرتا، تم ساری رات تراویح میں کھڑے رہتے ہو میں نے سوچا دبانے سے تمہارے پیروں کو آرام ملے گا اس لیے دبانے کے لیے آ گیا۔

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق سنا ہے کہ ابتداء میں بہت ہی خوش پوشاک تھے رئیسانہ زندگی، مگر آخر میں کھدر کی وجہ سے ایسا لباس ہو گیا تھا کہ دیکھنے والا مولوی بھی نہ سمجھتا تھا۔ حضرت تھانویؒ ایک جگہ 'ذکر محمود' میں فرماتے ہیں کہ جیسے شباب میں لطافت مزاج کے سبب نفیس پوشش مرغوب تھی اب غلبۂ تواضع کے سبب اس قدر سادہ لباس اور جوتا اور ساری ہی ایسی وضع اختیار کی تھی جیسے مساکین کی وضع ہوتی ہے۔ وضع سے کوئی شخص یہ نہ گمان کر سکتا تھا کہ آپ کو کسی قسم کا بھی امتیاز مالی جاہی یا علمی حاصل ہے۔ حالانکہ

ع   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جب حضرت نے قرآن پاک کا ترجمہ پورا کیا تو حضرت نے دیوبند میں سب علماء کو جمع کیا جو حضرت کے خدّام اور تلامذہ تھے۔ فرمایا کہ بھائی میں نے قرآن پاک کا ترجمہ پورا تو کر دیا ہے لیکن سب مل کر اسے دیکھ لو اگر پسند ہو تو شائع کر دو۔ حضرت حکیم الامت اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد تحریر

فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر اس تواضع کی بھی کوئی حد ہے۔

حضرت حکیم الامت نے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ بھی بعض ثقات سے سنا ہے کہ حضرت مولانا شیخ الہندؒ نے ارشاد فرمایا کہ بارہا حاضری گنگوہ کے وقت خیال ہوا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے حدیث کی اجازت کی درخواست کروں مگر معاً یہ خیال مانع ہوگیا کہ تجھ کو آتا ہی کیا ہے جو حدیث کی سند مانگتا ہے تو کیا جواب دوں گا، بس یہ سوچ کر چپ رہ گیا۔ اللہ اکبر کچھ حد ہے تواضع کی۔ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ میں نے کبھی نہ دیکھا اور نہ سنا کہ آپ نے کبھی امامت فرمائی ہو۔

مکتوب گرامی حضرت شیخ الھند بنام حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

سراپا فضل وکمال شرفکم اللہ تعالیٰ وجعلکم فوق کثیر من الناس

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بارہا آپ کی خیریت معلوم کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور ایک دو دفعہ بعض آئندگان کی زبانی آپ کی خیریت معلوم بھی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مع جملہ متعلقین خیریت سے رکھے، اس وقت ایک صاحب بنگالی مسمیٰ عبدالمجید سے ملاقات ہوئی جو ہندوستان واپس ہو رہے ہیں اور جناب کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد رکھتے ہیں۔ یہ موقع غنیمت معلوم ہوا، اس لیے یہ عریضہ روانہ کرتا ہوں۔ بندہ مع رفقاء بحمداللہ بالکل خیریت اور اطمینان سے ہے۔

شروع رجب میں مکہ مکرمہ حاضر ہوگیا تھا اس وقت تک یہیں حاضر ہوں۔ مجھ کو امید ہے کہ فلاح وحسن خاتمہ کی دعا سے اس دور افتادہ کو فراموش نہ فرماویں گے۔ آئندہ قیام کی نسبت ابھی کچھ عرض نہیں کرسکتا، مولوی شبیر علی صاحب، مولوی محمد ظفر صاحب، مولوی عبداللہ صاحب وغیرہ حضرات سے سلام مسنون فرما دیجئے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب، مولانا قمرالدّین صاحب کی وفات سے افسوس بر افسوس ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ورحمھا اللہ تعالیٰ والسلام علیک وعلی من لدیکم۔

فقط: بندہ محمود غفرلہٗ

مکہ معظّمہ ۱۲ محرم چہار شنبہ

دوسرا مکتوب

معدن حسنات وخیرات دام ظلکم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامی سامی موجب مسرت وامتنان ہوا۔ جو ہوا مکرمین ومخلصین کی ادعیہ مقبولہ کا ثمرہ ہے۔ ادام اللہ فیوضھم وبرکاتھم۔ احقر ورفقاء ومتعلقین بحمد اللہ خیریت سے ہیں۔ سب کا سلام مسنون قبول ہو۔ والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔ فقط

بندہ محمود غفرلہ

از دیوبند، دہم شوال روز یک شنبہ

تلامذہ کے ساتھ اس طرح اختلاط وارتباط وانبساط رکھنا کہ دیکھنے والا کبھی نہ سمجھ سکے کہ یہ اس مجمع کے مخدوم ہیں۔ بعض خدام کے ساتھ جن میں کوئی خاص خصوصیت ہوتی مثلاً مولانا کے کسی استاد یا بزرگ کی اولاد میں سے ہونا یا عوام المسلمین کے نزدیک معظم ہونا، ونحو ذالک ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جس سے اجنبی شخص کو شبہ ہو سکے خادم پر مخدوم ہونے کا، جب خدّام کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو مساوی یا بڑوں کے ساتھ معاملہ کا اسی سے موازنہ کر لیا جائے۔ کسی سے کسی خدمت کی فرمائش کرنے کی عادت نہ تھی، بلکہ اکثر مہمانوں کے لیے کھانا مکان سے اپنے ہاتھ میں لاتے اور خود کھلاتے۔ (اکابر کا تقویٰ)

تواضع مولانا محمد یحیٰ نوراللہ مرقدہٗ (تاریخ وفات ۱۹۱۵ء)

میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی سادی زندگی کو دیکھنے والے تو اب تک بکثرت موجود ہیں۔ ان کے لباس یا طرزِ معاشرت سے کوئی ان کو مولوی بھی نہیں سمجھتا تھا، کپڑے زیادہ ترمیل خوردہ پہنتے تھے۔ جناب الحاج شاہ زاہد حسین صاحب بھٹ کے یہاں میرے حضرت قدس سرہٗ (حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحبؒ) کے کپڑے دھلا کرتے تھے اور ہر ہفتے شنبہ کو ان کا آدمی آکر دھوبی کے گھر کے کپڑے دے جاتا تھا اور جمعہ کے اتارے ہوئے کپڑے لے جاتا تھا۔

میں اکثر خیال کیا کرتا تھا کہ دھلے ہوئے کپڑوں میں اور اتارے ہوئے کپڑوں میں

سلوٹوں کے سوا کوئی فرق نہ ہوتا تھا کہ پاجامہ پر خدام کے دبانے کی وجہ سے کچھ سلوٹیں پیدا ہو جاتی تھیں۔ شاہ صاحب نے کئی دفعہ والد صاحب سے اصرار کیا کہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ ساتھ آپ بھی کپڑے بھیج دیا کریں، انھوں نے فرمایا کہ میرے کپڑے ایسے ہوتے ہی نہیں کہ دھوبی کے یہاں دھلیں۔ بہت کم دھوبی کے یہاں دھلوانے کی نوبت آتی تھی، ورنہ کوئی خادم یا میری والدہ نور اللہ مرقدھا پانی میں کو نکال کر سکھا دیتی تھیں جو اگلے جمعے کو میرے والد صاحب پہن لیتے تھے۔

(علمائے دیوبند کا تقویٰ)

کاندھلہ جانے پر ایک دو اچکن گرمی سردی کا ساتھ کر دیتے تھے وہی میرے والد صاحب کے استعمال میں رہتے تھے۔ اپنے لیے اچکن سلوانا میرے علم میں نہیں، چونکہ دونوں کا بدن ایک سا تھا اس لیے وہ کرتے پاجامے بھی ایک دو ساتھ کر دیتے تھے۔ چونکہ بے تکلفی تھی اور بچپن کا تعلق تھا، کاندھلہ میں بھی ساتھ پڑھے، گنگوہ میں بھی ساتھ رہے، اس لیے والد صاحب کو بھی ان کے کپڑے پہن لینے میں تکلف نہیں ہوتا تھا۔ (علمائے دیوبند کا تقویٰ)

گنگوہ کے قیام میں بھی اور سہارنپور کے صدر مدرسی کے دور میں بھی کھانے کے وقت مخصوص خدّام اور مخصوص احباب اپنے اپنے گھر سے کھانا لا کر شریک ہو جاتے تھے اور کھانے کے وقت سب جگہ کے سالنوں کو ایک بڑے طباق میں یکجائی سے ملا لیتے تھے، اس میں شوربا بھی ہوتا، دال بھی ہوتی، ساگ بھی ہوتا، بھوجی بھی، سردی میں ان سب کو ملا کر انگیٹھی پر رکھ کر چند منٹ گرم کر لیتے تھے اور سب مل کر اسی طباق میں شریک کھاتے تھے۔ میرے استاد حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب سابق ناظم مظاہر العلوم بھی اکثر کھانے کے وقت اپنے گھر سے کھانا لے کر آجاتے تھے، ناظم صاحب کے مزاج میں نفاست و نزاکت بہت تھی، مگر میرے والد صاحب سے تعلق بھی بہت تھا وہ بھی اس کچونڈے کو بہت رغبت سے کھاتے تھے اور کبھی کبھی گوشت منگا کر طلبہ کے کھانے سے پہلے آپ کو پکوا کر یہ سب سالن اس میں ملا کر جوش دیئے جاتے تھے تو ایسا لذیذ ہو جاتا تھا کہ ویسا پھر لذیذ نہیں ملا۔ اس واقعہ کو تو مولانا عاشق الٰہی صاحب نے تذکرۃ الخلیل میں بھی لکھا ہے۔ البتہ گوشت کا شوق ضرور تھا۔ جس زمانہ میں میری ماں سہارنپور ہوتیں اس زمانہ میں تو والد صاحب کا گھر سے کھانا آجاتا ورنہ

بازار سے دو چار نفر کا جس میں ہم لوگ بھی ہوتے منگا لیا جاتا۔شاید آپ بیتی میں اس کا ذکر کہیں آ بھی چکا اور وہ بھی اس طشت میں ڈال دیا جاتا۔اکمال الشیم کے مقدمہ میں مولانا شیخ علی متقیؒ کے حالات میں بھی اس واقعہ کا ذکر کر چکا ہوں کہ حضرت شیخ کا بھی یہی معمول تھا۔مجھے یاد نہیں کہ والد صاحب نے گھر میں اپنے لیے کبھی کسی چیز کے پکانے کی فرمائش کی ہو۔والدہ مرحومہ جو بھی اپنی تجویز سے پکا دیتیں وہی دسترخوان پر چلا جاتا۔

تذکرۃ الرّشید میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ کے یہاں کہیں سے خمیری روٹی اور قورمہ آیا۔نوش فرما کر خانقاہ تشریف لائے اور تشریف لا کر میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے دریافت فرمایا ''میاں مولوی یحییٰ تمہیں بھی کچھ بھاوے (پسند آنا)؟'' انھوں نے عرض کیا حضرت ایک ارہر کی دال تو بھاتی نہیں باقی جو کچھ ملے سب پسند ہے۔آپ نے بیساختہ یہ شعر پڑھا

ع کیا کہوں جرأت کہ کچھ بھاتا نہیں
کچھ تو بھایا ہے جو کچھ بھاتا نہیں (تذکرۃ الرشید)

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

(صفحہ ۱۷ سے آگے) اب تو بیان ہو چکا اب اس کا کوئی اور تدارک بجز اس کے نہیں کہ آپ دوسرے وقت اس کی تردید فرما دیں اور اِسی مجلس میں اعلان فرما دیں کہ فلاں وقت اس وعظ کی تردید کی جاوے گی۔میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس پر کچھ نہ بولوں گا۔مولانا عبدالاول صاحب جو جونپور کے فضلاء میں سے تھے وہ کھڑے ہوئے اور مولوی صاحب کو ملامت کی کہ آپ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں اور پھر اعلان کے ساتھ فرمایا کہ صاحبو! آپ سب جانتے ہیں کہ میں مولودیہ ہوں، قیامیہ ہوں لیکن حق بات وہی ہے جو مولانا نے فرمائی ہے۔اس کے بعد وہ مجھے اپنے مکان پر لے گئے اور اپنے پاس مہمان رکھا۔''

(انجینئر نجیب الدین محمد صاحب کا انتخاب)

بِسۡمِ اللّٰہِ الۡرَ حۡمٰنِ الۡرَ حِیۡمِo

یَـا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدۡ خَلَقۡنَاالۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍمِّنۡ طِیۡنٍ oثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارِمَکِیۡنٍ oثُمَّ خَلَقۡنَاالنُّطۡفَۃَعَلَقَۃًفَخَلَقۡنَاالۡعَلَقَۃَمُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَاالۡمُضۡغَۃَعِظٰماًفَکَسَوۡنَاعِظٰمَ لَحۡماً ق ثُمَّ اَنۡشَئۡنٰہُ خَلۡقاً اٰخَرَفَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنِ oرَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنَ الصَّالِحِیۡنِ oرَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًاوَّ اَنۡتَ خَیۡرُالۡوَارِثِیۡن oرَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنۡ لَدُنۡکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنٰثاوَّیَھَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرًا ط اِلٰھِی بَحُرۡمَتِ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمۡ وَ اَھۡلِ بَیۡتِ الۡعِظَّامِ.

بِسۡمِ اللّٰہِ الۡرَ حۡمٰنِ الۡرَ حِیۡمِo

یَـا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدۡ خَلَقۡنَاالۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍمِّنۡ طِیۡنٍ oثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارِمَکِیۡنٍ oثُمَّ خَلَقۡنَاالنُّطۡفَۃَعَلَقَۃًفَخَلَقۡنَاالۡعَلَقَۃَمُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَاالۡمُضۡغَۃَعِظٰماًفَکَسَوۡنَاعِظٰمَ لَحۡماً ق ثُمَّ اَنۡشَئۡنٰہُ خَلۡقاً اٰخَرَفَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ

الْخَالِقِیْن ٥ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْن ٥ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن ٥ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَةً طَیِّبَةً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰهِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.